داغ دہلوی

داغ ۲۵ مئی ۱۸۳۱ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

داغ کے اجداد کا تعلق سمرقند سے تھا جو اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے۔ داغ کا نام ابراہیم رکھا گیا مگر انہوں نے اپنا نام بدل کر مرزا خان رکھ لیا۔ شاعری کی دنیا میں بلبل ہندوستان، ناظم یار جنگ نواب فصیح الملک مرزا خان داغ دہلوی کے نام اور خطابات سے جانے جاتے ہیں۔ چھ برس کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ۱۸۴۴ء میں اُن کی والدہ چھوٹی بیگم نے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے فرزند فتح الملک مرزا فخرو ولی عہد سے عقد کیا اور شوکت محل کے خطاب سے موسوم ہوئیں۔ داغ بھی اپنی والدہ کے ہمراہ قلعہ معلیٰ میں رہنے لگے۔ داغ بڑے ہی خوش نصیب تھے کہ ان کو مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر اور ولی عہد مرزا فخرو کی رہنمائی و سرپرستی حاصل رہی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت قلعہ معلیٰ کے شہزادوں کے ہمراہ ہوئی۔

نواب شمس الدین خان کو اس وقت جب داغ تقریباً چار برس کے تھے، دہلی کے ریزیڈنٹ ولیم فریزر کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کے الزام میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ اس کے بعد جب ان کی عمر تیرہ سال کی تھی، ان کی والدہ نے اس وقت کی برائے نام مغلیہ سلطنت کے ولی عہد مرزا فخرو سے شادی کر لی تھی۔ اس طرح داغ کی ذہنی اور علمی تربیت قلعہ کے ماحول میں ہوئی۔ ان کو اپنے وقت کی بہترین تعلیم دی گئی جو شہزادوں اور امراء کے لڑکوں کے لئے مخصوص تھی۔ قلعہ کے رنگین اور ادبی ماحول میں داغ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے ذوق کی شاگردی اختیار کر لی۔ نوعمری سی ہی داغ کی شاعری میں نیا بانکپن تھا۔ ان کے نئے انداز کو امام بخش صہبائی، غالب اور شیفتہ سمیت تمام اہل علم نے سراہا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ 15 سال کی ہی عمر میں انہوں نے اپنی خالہ عمدہ خانم کی بیٹی فاطمہ بیگم سے شادی کر لی۔ عمدہ خانم نواب رامپور یوسف علی خاں کے تصرف میں تھیں۔

داغ کی زندگی کا بہترین وقت لال قلعہ میں گزرا۔ یہیں کے ماحول میں ان کی جنسی خواہشات جاگیں اور یہیں ان کی تکمیل کا سامان ہوا۔ اس زمانہ میں طوائفوں سے تعلقات رکھنا معیوب نہیں تھا بلکہ تمول کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اس ماحول نے داغ کو شاہد باز بنا دیا۔ وہ حسن پرست تھے اور زندگی کے آخری دنوں تک ایسے ہی رہے

داغ نے غلام حسین شکیبا کے صاحبزادے مولوی سید احمد حسین سے فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس دور کے مشہور خوش نویس سید امیر پنجہ کش دہلوی سے فن خوش نویسی میں مہارت حاصل کی۔ قلعہ معلیٰ کے ادبی ماحول اور بہادر شاہ ظفر

کی سرپرستی نے داغ کو شعروشاعری کی طرف مائل کیا۔ داغ شاعری میں ابراہیم ذوق کے شاگرد ہوئے۔ قلعہ معلیٰ میں مرزا غالب کا تو آنا جانا تھا اور قلعہ معلیٰ میں آئے دن ادبی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ اُن کا دربار علماء، شعراء اور اہل ہنر کا ملجا و ماوا تھا۔ داغ نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو ہر طرف غالب، ذوق، مومن اور ظفر کی شاعری کی دھوم تھی۔ قلعہ معلیٰ کے اندر اور باہر ان شعراء کے فکر وفن کا توتی بول رہا تھا۔ غالب فلسفیانہ مضامین اور مسائل تصوف کے باب میں بیان کے دریا بہا رہے تھے۔ استاد ذوق زبان ومحاورے کو جلا دینے میں مصروف تھے۔ داغ نے بھی شعروشاعری اور ادب میں ایسے جوہر دکھائے ہیں جس کے اجلے نقوش آج بھی نمایاں ہیں۔ داغ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ غزل ان کی محبوب صنف سخن ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دوسری اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ داغ نے اپنے کلام میں اس دور کے حالات کو سمو دیا ہے۔

داغ کو دو لحاظ سے اہمیت حاصل ہے۔ ایک تو بلحاظ زبان کہ ان کے ساتھ دہلی اور بالخصوص قلعہ کا روزمرہ ختم ہو گیا اور دوسرے لکھنوی شاعری کے آخری اثرات ان کی ذات میں جمع ہو گئے۔ گویا داغ کی غزل میں دہلی اور لکھنو کا امتزاج ہے۔ عشق وعاشقی ان کے لیے ایک سنجیدہ، متین یا مہذب طرز عمل نہیں بلکہ کھیلنے اور چسکے کی چیز ہے۔ انہیں نہ احترام عشق ہے اور نہ پاس ناموس۔ اسی لیے محبوب سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ عاشق جو مومن کے ہاں محض ہرجائی تھا و داغ کے ہاں ہوس پرست بلکہ شاہد باز کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے ابتذال، عریانی اور فحاشی سبھی کچھ موجود ہے۔ زبان میں صفائی کے ساتھ ساتھ محاورہ بندی کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں جو کہ استاد ذوق کا اثر ہے۔

بہرکیف داغؔ کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی شاعری ایک محور پر گھومتی ہے اور وہ ہے عشق! جنسی محبت کے باوجود انہوں نے عاشقانہ جذبات کا بھرم رکھا ہے اور نفسیاتی بصیرت کا اظہار ان کے یہاں جا بجا ملتا ہے۔ داغؔ کی شاعری میں شبابیات، عیاشی، ہوسنا کی اور کھل کھیلنے کا جو عنصر ہے اس کے اظہار میں داغؔ نے ایک کیفیت پیدا کر دی ہے۔ عام طور عشقیہ جذبات ہی داغؔ کی شاعری میں دوڑتے نظر آتے ہیں، جنہیں طرح طرح کے رنگ بدلتے دیکھ کر قاری کبھی اچھل پڑتا ہے، کبھی آزردہ ہو جاتا ہے، کبھی ان حالات کو اپنے دل کی گہرائیوں میں تلاش کرتا ہے اور کبھی داغؔ کی بے پایاں شہرت اور اس میں تفکر کی کمی اسے مایوس کر دیتی ہے۔ ان کی غزلیں مترنم بحروں میں ہیں۔ ان کی زبان آسان، شستہ اور سادہ ہے۔ بیان کی شوخی، بے تکلفی طنز، جذبہ کی فراوانی اور تجربہ ومشاہدے کی کثرت سے ان کی غزلیں بھرپور ہیں۔ ان کی خوش دلی اور خوش باشی نے اردو شاعری کو ایک نئے موڈ سے آشنا کیا۔ وہ جاتی ہوئی بہار کے آخری زمزمہ سنج تھے جو اردو کے سرچشموں تک پہنچے اور ان کی قوت نمو کو آشکار کیا، داغ کی تمام شاعری وصل کی شاعری ہے، نشاطیہ لب و لہجہ، غیر منافقانہ رویہ اور دہلی کی زبان پر قدرت داغؔ کی مقبولیت کا راز ہے۔

داغ کی شاعری کے متعلق فراق فرماتے ہیں "اردو شاعری نے داغ کے برابر کا فقرہ باز آج تک پیدا کیا ہے اور نہ

آئندہ پیدا کر سکے گی۔"

بقول رام بابو سکسینہ: "ان کی زبان کے ساتھ اس خدمت کی ضرور قدر کرنی چاہیے کہ انہوں نے سخت اور معلق الفاظ ترک کیے اور سیدھے الفاظ استعمال کیے۔ جس سے کلام میں بے ساختگی اور فصاحت مزید بڑھ گئی ہے۔"

بقول خلیل الرحمن عظمی "داغ کے طرز بیان میں جو صفائی اور فصاحت، جو چستی، جو نکھار، جو البیلا پن اور جو فنی رچاؤ ملتا ہے وہ بہت کم غزل گویوں کے حصے میں آیا ہے۔ داغ کا فن اُن کی شخصیت کی ایک تصویر ہے اس لیے اس میں بڑی جان ہے۔"

داغ زبان و بیان اور فصاحت کے علمبردار شاعر ہیں اس لیے وہ اپنی زبان اور شاعری پر ناز کرتے ہیں۔ اُن کی اس شاعرانہ تعلّی کی مثالیں اُن کی شاعری میں جا بجا موجود ہیں۔

کیا پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیوان نہیں دیکھا

داغ معجز بیان ہے کیا کہنا
طرز سب سے جدا نکالی ہے

داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

داغ اپنی شاعری میں صاف اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ محاورے کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، مثلاً

تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے
ہاتھ لا اُستاد کیوں کیسی کہی

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں
آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارمان ہوگا